© rasailojaraid.com

شاہ ولی اللہ کا خصوصی طریقۂ فکر

محمد سرور

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ یہ ہے کہ اُن کے عہد تک مسلمانوں میں جو بھی علوم و فنون مدون ہو چکے تھے، انھوں نے ان کا پورا احاطہ کیا۔ اور زوال کی طویل صدیوں میں ان میں اِدھر اُدھر سے جو رطب ویابس جمع ہو گیا تھا اُسے کاٹا چھانٹا، اور ہر علم میں جو مختلف فیہ مسائل جمع ہو گئے تھے، اور لوگ اصل کو چھوڑ کر بس ان میں ہی اُلجھ کر رہ گئے تھے، ان کو حل کیا۔ اور پھر ایک علم کا دوسرے علم سے اور اہلِ علم کے ایک گروہ کا دوسرے علم والوں سے جو تضاد اور بیر چلا آتا تھا، اُسے دُور کیا۔ اور اس طرح مسلمانوں کی علمی و ذہنی وراثت کو اُس کے داخلی تناقضات سے پاک کر کے اس میں ایسی وحدت اور ہم آہنگی پیدا کی کہ بعد میں آنے والے اس وراثت کو اپنے فکر و عمل کا اساس بنا سکتے ہیں۔ یہ کام بڑا ہی مشکل تھا، گیارہ بارہ سو برس کی تاریخ کی پیچ در پیچ گرہوں کو سلجھانا، جب کہ ہر گرہ ایک نئے فرقے کے بننے کا باعث بن چکی ہو۔ اور اس کے حق بجانب ہونے میں عقل و منطق کے ساتھ ساتھ قرآن اور روایات کی سند بھی موجود ہو، بڑے جان جوکھوں کا کام تھا۔ اور یہ شاہ صاحبؒ ہی کا دل و دماغ تھا کہ وہ اس کٹھن مہم کو کامیابی سے سر کر سکے۔ اور ہمارے لئے اپنے ماضی کو سمجھنا اور اس سے استفادہ کرنا اتنا آسان کر گئے۔

شاہ صاحبؒ سب سے پہلے ایک عالمِ دین تھے، ان کا منصب ایک مرشد اور معلّم کا تھا۔ اور ان کی ساری زندگی بھی ارشاد و تعلیم ہی میں گزری شاہ صاحبؒ کا اصل مقصد لوگوں کو دین سکھانا اور انھیں اسلام کی تعلیم دینا تھا۔ انھوں نے جو کچھ لکھا اسی غرض سے لکھا کہ دینی حقائق کے ثبوت میں مزید شواہد فراہم کریں۔ اور دین اور حکمت میں جو تناقض پایا جاتا تھا، حکمت ہی کی مدد سے اس کو دُور کریں۔ شاہ صاحبؒ کو سمجھنے کے لئے یہ مسئلہ ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ دین کو زندگی کی اصل غایت قرار دیتے ہیں اور اسی نظر سے وہ زندگی کو دیکھتے اور اُسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر ہم شاہ صاحبؒ کے یہاں جو دین کا تصور ہے اس کی حقیقت جان لیں تو گویا شاہ صاحبؒ کے جملہ افکار کا اساسی نقطہ ہمارے ہاتھ آ گیا۔ اب صورت یہ ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک دین کا تصور بڑا وسیع اور جامع ہے۔ وہ زندگی کی طرح اُسے بھی ایک ہمہ گیر حقیقت مانتے ہیں۔ اُن کا کہنا یہ ہے کہ دین زندگی کو ایک مقصد دیتا ہے۔ اور یہ مقصد اتنا ہی عام اور عالم گیر ہے جتنی کہ خود زندگی جس طرح زندگی اجزاء اور افراد میں منقسم ہونے کے باوجود اپنا کلّی وجود باقی رکھتی ہے اسی طرح شاہ صاحبؒ کے نزدیک دین بھی ہزار ہا ہزار مذاہب اور مسالک میں بٹ کر اپنی وحدت قائم رکھتا ہے۔

شاہ صاحبؒ دین اور دین کے مظاہر میں فرق کرتے ہیں، ان کے نزدیک دین اصل ہے اور وہ شروع سے آخر تک، یعنی حضرت آدم سے لے کر اس وقت تک اپنے عمومی مقاصد کے لحاظ سے اپنی اصلی حالت پر قائم ہے۔ البتہ زمانے کے ساتھ دین کی ظاہری شکلیں ضرور بدلتی رہی ہیں۔ لیکن دین کی اس اصل میں جو غیر متبدل ہے اور اس کی مختلف شکلوں میں جو برابر بدلا کرتی ہیں، کوئی تضاد نہیں، شاہ صاحبؒ اپنی کتابوں میں بار بار اس مسئلہ پر بحث کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسان اگر اس مسئلے کو اچھی طرح سے سمجھ جائے تو دُنیا میں یہ جتنے اختلاف نظر آتے ہیں، ان سب کی حقیقت اس پر کُھل جائے، اور وہ اِس کثرت میں ایک ہی وحدت کو کارفرما دیکھنے لگے۔

شاہ صاحبؒ ایک عالمِ دین ہیں اور انھوں نے ایک عالمِ دین ہی کی حیثیت سے زندگی کو دیکھا۔ اور اسے سمجھنے کی کوشش کی، ہاں یہ دُوسری بات ہے کہ ان کا دین کا تصور اربابِ دین سے مختلف ہو اور دین کو وہ اتنا تنگ اور محدود نہ سمجھتے ہوں جتنا عام طور پر اہلِ مذاہب اسے سمجھتے چلے آتے ہیں۔ یہ سب کچھ سہی لیکن اس سے تو کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ شاہ صاحبؒ کا زندگی کو دیکھنے اور اسے سمجھنے کا زاویہ نگاہ دینی ہے۔ اب جہاں تک دین کا تعلق ہے، وہ خواہ کسی شکل میں بھی ہمارے سامنے آئے، اس میں ان دو بنیادی خصوصیتوں کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ دین کسی طرح بھی زندگی کو محدود نہیں مانتا، اور نہ وہ موت پر زندگی کو ختم کرتا ہے۔ اور نہ اس کے نزدیک کوئی زمانہ ایسا گزرا ہے، جب کہ زندگی کا کوئی وجود نہ ہو۔ دین اِس آب و گِل میں زندگی کو محدود ماننے سے بڑی سختی سے اِنکار کرتا ہے۔ اس کے نزدیک طبیعات کی دُنیا میں جو باوجود اپنی تمام بے کنار وسعتوں کے پھر بھی ایک جزو ہے، زندگی جو ایک کُل ہے کبھی گھِر نہیں سکتی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ دین کا نقطۂ نظر ہمیشہ مابعد الطبیعاتی ہوتا ہے۔ لیکن اس سے کہیں یہ نہ سمجھا جائے کہ طبیعات کی دُنیا اس زندگی میں کچھ کم اہمیت رکھتی ہے۔ بے شک دین کے بعض مدّعی یہ بھی سمجھتے رہے ہیں، اور اس غلطی کا خمیازہ انھیں بُری طرح بھگتنا بھی پڑا ہے لیکن جہاں تک شاہ صاحبؒ کا تعلق ہے وہ دُنیائے طبیعات کی اہمیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے قائل ہیں، اور اُسے وہ ایک زندہ ٹھوس حقیقت مانتے ہیں۔ پر ایک سچے دین دار کی طرح ان کے عقائد کی سوتیں اُن کے مابعد الطبیعاتی تصورات کے سرچشموں ہی سے پھوٹتی ہیں۔ اور ان کی کوشش یہی ہے کہ وہ حقائق طبیعات کو جو مشاہدہ اور تجربہ کا حاصل ہیں۔ اور شاہ صاحبؒ کو مشاہدہ اور تجربہ پر پورا یقین بھی ہے۔ اور اپنے مابعد الطبیعاتی تصورات سے ہم آہنگ کریں۔

دین کی دُوسری خصوصیت جو اس کے لئے ایک لازمی جزو ہے، وہ اس کا اخلاقی نقطۂ نظر ہے۔ دین کا مقصود ہمیشہ سے حصولِ "خیر" رہا ہے۔ "خیر" کیا ہے؟ اس کی تعبیر مختلف زمانوں میں مختلف ہوتی آئی ہے۔ لیکن "خیر" بہ حیثیت نصب العین کے شروع سے ہی دین کا ضروری جزو مانا گیا ہے۔ بے شک اس "خیر" سے لوگوں نے کبھی محض اپنے کنبے کی بہتری مراد لی۔ اور کبھی اس میں انھوں نے اپنی ساری قوم کو بھی شامل کر لیا۔ لیکن بعض خدا کے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جنھوں نے ان سب حدبندیوں سے گزر کر "خیر" کو کل انسانیت کی بھلائی پر محمول کیا۔ اور اسی کو دین کا اصل مقصود جانا۔ بہرحال "خیر" کی جو بھی تعبیر ہو، کوئی دین "خیر" کے تصور کے بغیر دین کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

یہ ہے ذہنی پس منظر شاہ صاحبؒ کے جملہ افکار و تصورات کا، اور اس کی روشنی میں ہمیں ان کے عمرانی نظریوں کو بھی سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ عمرانیات میں سب سے اہم سوال یہ ہے کہ زندگی کا یہ قافلہ جو ہر دم رواں دواں ہے، کس منزل سے چلا، کس طرح چلا جا رہا ہے۔ کون سے قوانین اُسے چلا رہے ہیں، اور اس کے سامنے مقصد کیا ہے؟ بے شک یہ سوال محض عمرانیات کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ہر معلّم اور مفکر کو خواہ وہ مذہب کا پیغامبر ہو یا اخلاقیات کا مبلغ، کسی نہ کسی حد تک اس سوال سے ضرور دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ وہ بیشتر اس کی طرف اجمالی اشارات کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں، کیوں کہ یہ سوال دراصل ہے عمرانیات کا، اور ایک عالم عمرانیات سے ہی اس کے تفصیلی جواب کی توقع کی جا سکتی ہے۔ لیکن دقت یہ ہے کہ عمرانیات کا موضوع انسانی زندگی ہے۔ اور انسانی زندگی کا یہ عالم ہے کہ اس کی کوئی حدبندی نہیں کی جا سکتی۔ وہ ظاہر و محسوس بھی ہے اور آنکھوں سے اوجھل بھی۔ ہماری آنکھیں اُسے دیکھتی بھی ہیں، اور نہیں بھی دیکھتیں۔ وہ کب سے ہے۔ اس کا مشاہدہ ناممکن ہے، وہ کب تک رہے گی، اس کا تجربہ بھی محال۔ اب زندگی غیر محدود، نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے، اور ہمارے حواس محدود، اگر اس کو سمجھنے میں مشاہدہ اور تجربہ پر اکتفا کریں تو حقیقت تک رسائی ناممکن۔ عمرانی تحقیقات میں یہ بڑی کٹھن منزل ہے، اور اس کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پار کرنا بڑا ہی مشکل۔

عمرانیات پر بحث کرنے والوں میں عموماً دو رجحان پائے جاتے ہیں ایک گروہ تو ان لوگوں کا ہے جو تجربے اور مشاہدے پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ لوگ صرف زندگی کے مادّی ٹھوس مظاہر تک اپنی تحقیق کا دائرہ محدود رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کو ہم "حقیقت پرست" کہہ سکتے ہیں عمرانیات پر گفت گو کرنے والوں کا ایک دوسرا گروہ ہے، جو "عینی" کہلاتا ہے۔ ان کے ذہنوں میں پہلے سے زندگی کے چند تصوّرات ہوتے ہیں جن کی صداقت پر ان کو یقین ہوتا ہے۔ وہ ان کی روشنی میں مادّی مظاہر پر بحث کرتے ہیں یعنی اوّل الذکر گروہ اصل اور جزوں سے کل تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، اور دوسرا گروہ پہلے ذہن میں ایک کلی تصوّر متعین کرتا ہے اور پھر اس کی مدد سے زندگی کے مظاہر کی بوقلمونی اور رنگا رنگی سمجھنا چاہتا ہے۔ اسلامی فلسفے کی اصطلاحی زبان میں انھیں مشائی اور اشراقی کہہ لیجیے۔ ایک ارسطو کا پیرو، اور دوسرا افلاطون کا تابع۔ ایک کا طریقۂ بحث استقرائی اور دوسرے کا استخراجی۔

شاہ صاحبؒ اپنی کتابوں میں بار بار اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے یہ توفیق بخشی ہے کہ اس زمانے میں جو تناقضات ہیں، ان میں باہم مطابقت پیدا کروں۔ قدرت کی طرف سے مجھے یہ ملکہ عطا ہوا ہے اور مختلف فیہ امور میں تطبیق دینے کی یہ مہم مجھے سپرد کی گئی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ نے سب سے پہلے فقہ میں حنفی اور شافعی مسلکوں میں جو اختلافات چلے آتے تھے، آپ نے ان کو اپنی اس خداداد قابلیت سے رفع کیا پھر حدیث اور فقہ میں تطبیق دی۔ اس کے بعد شریعت اور طریقت کے تناقض کو ختم کیا۔ پھر ایک طرف طریقت میں وحدۃ الشہود اور وحدۃ الوجود کے جو متخاصم اسکول تھے ان کو ملایا۔ اور دوسری طرف مذاہب اور ادیان کے اختلافات کو مٹایا، اور ان کو ایک اساس پر جمع کیا۔ اسی طرح عمرانی بحثوں میں بھی شاہ صاحبؒ نے مشائی اور اشراقی دونوں طریقوں کو یک جا کیا اور دونوں کی مدد سے اپنے عمرانی نظریوں کو استوار کرنے کی کوشش کی۔ یہ شاہ صاحب کا خاص کمال ہے اور اسی وجہ سے ان کے عمرانی نظریئے ہماری خاص توجہ چاہتے ہیں۔ ایک جگہ شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اہلِ دین کا یہ حال ہے کہ وہ کلی تصوّرات پر اکتفا کئے بیٹھے ہیں۔ اور دوسری طرف اربابِ عقل کا گروہ ہے کہ وہ جزویات میں اُلجھ کر رہ گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ: "یہ دونوں غلطی پر ہیں، اور دونوں کی رسائی حقیقت تک نہیں ہوتی۔ کامل وہ ہے جو جزئیات سے کُل تک پہنچے اور کُل سے جز دیکھے اور دونوں کے تضادات کو دور کرے۔ گویا دوسرے لفظوں میں تحقیق کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ حقیقت کو پانے کے لئے مشائی اور اشراقی یعنی استقرائی اور استخراجی دونوں طرزِ فکر سے مدد لی جائے۔" یہ شاہ صاحبؒ کا اپنا طریقہ ہے۔ اور واقعی وہ اس لحاظ سے درجۂ کمال پر فائز ہیں۔

© rasailojaraid.com